عشق و عقل

فردین احمد خان رضوی

النجم اسلامک میڈیا

Hijri date : Ramadan 1441
Gregorian date : May 2020
Book name : Aql o Ishq
Author: Fardeen Ahmad Khan Razvi
Publisher : An Najm Islamic Media (India)

-------------------Details---

An Najm Islamic Media is working tirelessly day in and day out to spread the true and blessed teachings of Imam Ahmad Rida Khan Qadri Barelvi (Allah is pleased with him). Which are ultimately the teachings of the Qur'an and the Beloved Prophet (may Allah bless him and grant him peace). We provide people with Islamic literature and tell to abstain from what can harm them.

An Najm Islamic Media is active on
* Facebook * Instagram *Youtube *archive.org

Reach out to us to know more :-
Feel free to call us on :

8527632019 **&** ***9837777689***

اچھّا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل

لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

اقبال

کلماتِ تحسین

از: حضرت **علامہ جاوید مرکزی** صاحب قبلہ (بریلی شریف)

الحمد للّٰہ رب العلمین و الصلوۃ و السلام علی رسولہ الکریم و علی آلہ و اصحابہ

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا بنایا ہے۔ اللہ نے انسان کے اندر عقل کا ایک جوہر رکھا ہے جس کے ذریعے سے وہ صحیح و غلط کا فیصلہ کر سکتا ہے مگر یہ بات بھی یقینی ہے کہ عقل کا ہر فیصلہ درست نہیں ہوتا۔ ہم دیکھتے ہیں چند لوگ بیٹھ کر کوئی قانون بناتے ہیں مگر کچھ وقت میں ہی وہ قانون لوگوں کی رہنمائی سے معذور نظر آتا ہے اور اس میں ترمیم کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور یہ بھی دیکھا جاتا ہے ایک محقق اپنے زمانہ میں کوئی تحقیق کرتا ہے مگر آنے والے وقت میں کوئی دوسرا محقق اس کو رد کر دیتا ہے تو یہ تاب ظاہر ہے کہ عقل میں کمزوری ہے تو صرف عقل کی پیروی گمراہیت کی گہری گھاٹیوں میں پھینک دیگی، رشد و ہدایت کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کی پیروی لازم ہے۔ مصنف سلمہٗ نے اس میں کئی مثالوں سے یہ بتایا ہے کہ جن لوگوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی پیروی کو اختیار نہ کرکے عقل کی پیروی کی تو ایک خالق کو چھوڑ کر لاکھوں کے قدموں میں جا گرے اور دنیا و آخرت میں ذلت کو مول لیا۔ اللہ **فردین احمد خان** کے علم و عمل میں برکتیں عطا فرمائے اور دونوں جہان کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین

محمد جاوید مرکزی

تقریظِ عــزیزی

از: عــزیزم حضــرتـــ **مولانا محمد حسان راعینی** صــاحب قبـلـہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالی نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا پھر اسے عقل عطا فرمائی یہ وہی عقل ہے جس کے ذریعے انسان صحیح غلط میں امتیاز کرتا ہے اسی عقل کی بنا پر انسان اپنی زندگی کے امور انجام دیتا ہے یہ وہی عقل ہے جسے اللہ تعالی نے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام رجاء میں قیام کراکر تخلیق فرمایا اے عقل والوں یہ عقل بھی میرے نبی صلی علیہ السلام کے نور سے بنی ہے افسوس کی بات ہے کہ کچھ نام نہاد عقل والے ایسے بھی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور ہی نہیں مانتے خیر یہ موضوع دوسرا ہے بات چل رہی تھی عقل کی عقل انسان کو پستی سے عروج پر پہنچاتی ہے لیکن ایک قوت ایسی بھی ہے جس کی طاقت عقل سے بھی زیادہ ہے اور وہ ہے عشق،

عشق کا جذبہ عقل و فہم سے بالاتر ہے یہ وہی عشق ہے جو ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے لئے تیار کر رہا تھا ، یہ وہی عشق ہے جس کے جذبے کے تحت میدان کربلا میں امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے اپنے خاندان کے ساتھ اپنے آپ کو قربان کردیا

اب ہم جانتے ہیں کہ عشق کسے کہتے ہیں؟؟

جب کسی بھی محبت میں جنون، تڑپ اور شوق پیدا ہوجائے اور وہ محبت ایسی شدت اختیار کرجائے کہ دیگر تمام چیزوں اور محبتوں کو فراموش کردے تو وہ عشق ہے

انسان کے اللہ اور رسول پر ایمان کی کاملیت کا انحصار بھی اسی پر ہے جس کے غیر موجودگی کے باعث ایمان نامکمل رہتا ہے

عشق اور عقل کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا روم علیہ رحمہ لکھتے ہیں:

عشق آمد عقل خود آوارہ شد

شمس آمد شمع خود بیچارہ شد

"عشق آگیا تو عقل بے چاری بیکار ہوگی جیسے سورج نکلا تو شمع کی ضرورت نہ رہی"

رہ عقل جز پیچ در پیچ نیست

رہ عاشقاں جز خدا ہیچ نیست

"عقل کا راستہ بہت پیچیدہ اور مشکل ہے اور عاشقوں کا راستہ خدا کے سوا کچھ نہیں"

عشق کی بلندیوں تک عقل کی رسائی نہیں کیوں کہ عقل "چوں، چرا" کی قائل ہے

حاصل کلام یہ کہ عشق ہی ہے جو انسان کو ہر مشکل اور پریشانی سے ٹکرانے کا حوصلہ اور پھر اللہ تعالی کی ذات کا قرب و وصال عطا کرتا ہے ورنہ عقل کا کام تو ہمیشہ تنقید کرنا ہے ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا:

"عقل کو تنقید سے فرصت نہیں

عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ"

"وہ پرانے چاک جن کو عقل سی سکتی نہیں

عشق سیتا ہے انہیں بے سوزن و تارِ رفو"

برادرم جناب فردین احمد خان رضوی سلمہ کے مضامین عشق اور عقل کے تعلق سے دونوں کے درمیان فرق کو واضح کرتے نظر آتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عشق کے مقابلے میں عقل کی کوئی حیثیت نہیں ہے مختصر انداز میں موصوف نے قرآن وحدیث سے عشق اور عقل کی حقیقت کو واضح کیا ہے اللہ تعالی قبول فرمائے آمین۔

احقر محمد حسان رضا راعینی

موضع ہرائےپور، پیلی بھیت

جو عقل کا غلام ہو، وہ دِل نہ کر قبول

الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی سید الأنبیاء والمرسلین أما بعد فأعوذ

باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

صدق اللہ العظیم

أیھا الناس! اللہ تبارک و تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں اسلام اور پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے رشد و ہدایت عطا فرمائی۔ یہ بات یقینی ہے کہ بندہ اپنی عقل کے ذریعے سے ذاتِ باری تعالیٰ کا مکمل ادراک حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی عقل رب العزت کو اپنے احاطے میں لے سکتی ہے۔ اللہ جل جلالہ تو عقل و گمان سے بالا تر ہے اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور کوئی اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس کا علم غیر متناہی ہے۔ ہر چیز کو فنا ہے لیکن اللہ کو فنا نہیں، وہ ازلی ابدی ہے، حی و قیوم ہے۔

اب دل افروز نقطہ یہ ہے کہ ہمیں جو ان تمام باتوں کا علم حاصل ہوا ہے، وہ ہماری اپنی تحقیق و جستجو سے نہیں بلکہ رب العالمین کے محبوبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک کے ذریعے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود یہ علم ہمیں اپنے محبوب کے واسطے سے عطا فرمایا تو ہمیں معلوم چلا، ورنہ عقل انسانی میں اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ از خود غیبی باتوں کا انکشاف کر سکے۔ اور نہ ہی عقل کے ذریعے سے کوئی انسان ان باتوں کو دیکھ سکتا ہے، مثلاً کوئی جبریل امین علیہ السلام کو بذریعہ عقل نہیں دیکھ سکتا نہ ان کے ہونے کی موجودگی کا پتا لگانے کا کوئی آلہ انسان کے پاس ہے۔ ہر انسان کے شانوں پر فرشتے اس کے اعمال لکھ رہے ہیں مگر کوئی انسان اپنی قوت سے کبھی انہیں نہیں دیکھ پایا، اور یہ تمام باتیں اس وجہ سے ہیں کہ ان غیبی باتوں کا ادراک عقل سے ممکن ہی نہیں ہے۔ ان کا علم حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کو غیبی خبر بھیجے اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے۔ اور اسی غیبی خبر پر ہم اعتقاد کرتے ہیں۔ قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اسی قسم کی غیبی اخبار اپنے بندوں کو عطا فرمائی، جنت، دوزخ، میزان، پل صراط، حشر یہ تمام باتیں غیب ہیں۔

قدیم یونانی خرافات کا جائزہ لینے سے پتا چلتا ہے، کہ جب انسان اسلامی فلسفے سے نابلد اور تعلیماتِ پیغمبر سے منحرف ہوتا ہے تو اس کی عقل اسے گمراہ و مضل بنا دیتی ہے۔ اور جب حقیقی معبود کے در سے وہ اعراض کرتا ہے تو ہزاروں معبودوں کی پرستش شروع کر دیتا ہے۔

یہ ایک سجدہ جسے تُو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

قدیم یونانی لوگ بھی جب اللہ رب العزت کے در سے پھرے تو جا کر ہزاروں لوگوں کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ، اولمپس کی پہاڑی (Mount Olympus)پر رہنے والے چند افراد کی بدنی طاقت سے مرعوب ہو کر یونانیوں نے انہیں اپنا معبود تسلیم کر لیا۔ ان میں زیوز (Zeus) کو اپنے ارباب کا بادشاہ اور پوسائڈن(Poseidon) ، ہیڈیز(Hades) ، اس کے بھائی ان لوگوں میں شامل تھے، اسی طرح اگر کسی کو جنگی صلاحیت میں اچھا پایا اسے (God of War) کا خطاب دے دیا۔ یہ خطاب برسوں تک ایریز (Ares) کے پاس رہا۔ اگر ان لوگوں کی اخلاقی زندگیوں کا جائزہ لیا جائے تو ان سے زیادہ بد ترین کردار کا حامل شاید ہی کوئی نظر آئے۔ یہاں تک کہ انہی خرافات میں مذکور ہے کہ جب ایک بادشاہ نے ان خدا کہلانے والے لوگوں کے خلاف جنگ کا اعلان کیا تو زیوز (Zeus) اس کے گھر میں خاموشی سے داخل ہوا جب کہ بادشاہ اولمپس کی چڑھائی میں مصروف تھا اور گھر میں داخل ہو کر بادشاہ کی بیوی کے ساتھ عصمت دری کی اور فرار ہو گیا۔ بادشاہ نے یہ دیکھ کر حالت غیظ و غضب میں اپنی بیوی کو اس کے ناجائز بچے کے ساتھ پانی میں پھینک دیا۔ اسی طرح ایک اور قصہ خرافات میں موجود ہے کہ یونانی افراد میں دیوی کا درجہ رکھنے والی اتھینا (Athena) اس قدر شقی تھی کہ ایک مرتبہ میڈیوسا (Medusa) نام کی عورت تھی جو کہ نہایت حسین و مہ جبین تھی، چند لوگ اس کی عصمت دری کے درپے ہوئے اور وہ بھاگتی ہوئی اتھینا کے گھر میں داخل ہوئی اور اتھینا سے فریاد کی اور اپنی عزت بچانے کی دہائی دی، مگر اس شقی عورت نے اس کی عصمت دری ہونے دی اور یہاں تک کہ اسے ایک دور دراز علاقے میں قید کروا دیا۔

اسی طرح سے تاریخ خرافات میں ہمیں درجنوں مثالیں ملتی ہیں جس میں لغو باتوں کی بھرمار ہے۔

(The Apple of Eden) کہ جو اسے حاصل کر لے اسے انسانی فطرت پر قدرت حاصل ہو جائے، یا

(The Fountain of Youth) کہ جو اس میں سے پی لے کبھی بوڑھا نہ ہو، یہ تمام باتیں اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ انسانی عقل اگر آوارہ گردی پر اتر آئے، تو انسان شرافت کے ہر پیمانے سے تجاوز کر کے جانوروں سے بھی بدتر بن جاتا ہے۔ شرافت اس بات کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتی کہ یہی انسان جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے وہی معبود حقیقی کو چھوڑ کر اپنے خالق و مالک کو چھوڑ کر بدکار فسّاق کی پرستش شروع کر سکتا ہے۔ مگر تاریخ میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں، نمرود کو ہی لے لیں، وہ خود کو خدا کہلواتا تھا اور عاجزی کا عالم یہ کہ جب حضرتِ خلیل علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے، اے نمرود اگر اپنے آپ کو خدا سمجھتے ہو تو چلو اسے مغرب سے نکال کر دکھا دو؟ یہ سن کر نمرود کا سارا نشہ اتر گیا اور مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اور یہی حال ہوتا ہے عقل کی آوارگی کے شکار لوگوں کا جب ان پر نور کی چمک پڑتی ہے، وہ آنکھیں بند کر لیتے ہیں کہ ظلمات میں رہنے والوں کو روشنی اچھی نہیں لگتی۔

اور ہوا بھی یہی کہ دنیا میں اسلام کی روشنی آنے سے ان خرافات کا خاتمہ ہوا اور آج وہی مصر جہاں بلّیوں کی اور کتّے کے منہ والے انوبس(Anubis) کی پرستش کی جاتی تھی وہ بت پرستی کی نحوست سے نجات پا گیا۔ اور قدیم یونانی خرافات کے ماننے والے لوگ دنیا میں شاذ و نادر ہی کہیں ملیں گے۔

اسی کے ساتھ جاننا چاہیئے کہ ہر چیز کو عقل کے پیمانے پر تولنا اور پھر عقل کو معیار بنانا ہر جگہ سود مند نہیں ہوتا۔ قرآن و حدیث کے وہ احکام جو ہمیں ظاہری طور پر سمجھ نہ آئیں، ان میں بھی اس قدر حکمت ہے کہ عقول دنگ رہ جاتی ہیں۔ ایک طبقہ ایسا بھی روئے زمین پر آیا تھا جس نے قرآن و حدیث کی ہر بات کو ناقص عقل کے پیمانے پر تولا اور جو ان کی سمجھ میں آیا اسے قبول کیا اور جو نہیں آیا اس کی تکذیب کی، یہ فرقہ معتزلہ کہلایا جس کا بانی واصل ابن عطا تھا۔ اور اسی فرقہ میں بڑے عقلاء گزرے مثلاً

زمخشری وغیرہ مگر انہیں راہ ہدایت نہ ملی، وجہ وہی تھی کہ ان کا پیمانہ عقل تھا شریعت نہیں۔ جب کہ ہر مسلمان کے لئے شریعت افضل ہے اور وہی قابل عمل ہے، چاہے بعض احکامات ہماری ناقص عقول میں آئیں یا نہ آئیں۔

اگر عقل کا صحیح استعمال کرنا چاہتے ہیں تو اسے وہاں لگائیں جہاں غور و فکر کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا، آفاق و انفاس کے مطالعہ کا حکم قرآن نے دیا، آیاتِ ربانی میں غور و تدبر کرنے کا حکم قرآن نے دیا، مع ھذا مظاہر قدرت میں فکر و تفکر کرنے سے خالق کائنات کی معرفت اس کی شانِ خلاقیت معلوم چلتی ہے۔ جہاں نظر کریں اس کی قدرت کے جلوے ہیں اور ان سب کا مطالعہ، ان میں غور و خوض کرنے کی صلاحیت بھی ہمیں اسی رب العالمین نے عقل عطا فرما کر دی ہے۔

معلوم یہ چلا کہ عقل اکسیر ہے اگر شریعت کے دائرے میں رہ کر کام کرے اور زہر ہے جو اس کی حدود سے تجاوز کرے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں عقل کا صحیح استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیشہ اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یارب العالین بجاہ النبي الأمین علیه أجمل الصلوۃ و أکمل التسلیم

20شعبان المعظم 1441ھ. بمطابق 15 اپریل 2020

حدِ ادراک سے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی

الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی رسولہ الکریم اما بعد فأعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

صدق اللہ العظیم

أیھا الناس! محبت کئی طرح کی ہوتی ہے۔ انسان سے، جانور سے، کسی چیز سے، کسی جگہ سے وغیرہ۔ کبھی یہ فطری عمل ہوتا ہے جیسے کہ ماں سے محبت۔ کبھی یہ وقت کے ساتھ پیدا ہوتی ہے جیسے کسی شخص کے بارے میں پڑھنا اور اس سے محبت کرنا۔ اس طرح کی محبت کو عقیدت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور کبھی یہ محبت خود بخود پیدا ہو جاتی ہے جیسے کہ شریک حیات سے محبت۔ اس محبت کے کئی اغراض بھی ہوتے ہیں۔ کبھی ذاتی مفاد مقصود ہوتا ہے، کبھی تسکین دل، کبھی محض تفنن طبع اور کبھی حالات کا تقاضا۔ کبھی محبت انسان پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے اور کبھی تو اس سے وہ افعال کروا دیتی ہے کہ جس کی ہمت وہ کبھی نہیں کر سکتا تھا۔ محبت ایک وسیع عنوان ہے۔ جس سے کم از کم مجھ جیسا کم علم تو شاید انصاف نہ کر پائے۔ خیر جب محبت اتنی صورتوں میں ہوتی ہے تو کیا اس کی کوئی قسم بھی ہے؟ اور کس بنا پر اسے منقسم کیا گیا ہے؟ اس کی کیفیات کیا ہیں؟ اس سے جڑے جذبات کا مرکز کہاں ہے؟ جذب، کوفت،

اضطراب، تذبذب، وارفتگی، خودرفتگی، تشنگی، وجد یہ سب کس زمین کے پروردہ ہیں؟ خیالات کی آمد و رفت کا سلسلہ تاحیات جاری رہتا ہے اور انسان اس عنوان میں جتنا غوطہ لگاتا ہے اتنا ہی اس کے اندر ڈوبتا چلا جاتا ہے-

عقل راستہ کے خطرات کی نشاندہی کرتی رہتی ہے، مگر دل اس کی ایک نہیں سنتا- اور جب یہی محبت درجہ کمال کو پہنچ جاتی ہے تو اسی کو اہل نظر عشق سے تعبیر کرتے ہیں- اور عشق کا عنوان تو محبت سے زیادہ وسیع تر ہے- عشق کی انتہا کو پانا کسی حال عقل کے لیے ممکن نہیں اور عقل محو تماشائے لب بام ہو کر دیکھتی رہتی ہے کہ عشق کیسے کیسے خرق عادت واقعات کی نمائش کرتا ہے۔

بے خطر کود گیا آتش نمرود میں عشق

عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

ظاہر ہے کہ ہر فعل کا ایک دائرہ کار ہوتا ہے، حدود ہوتی ہیں جن سے تجاوز فعل کو معصیت اور فاعل کو معتوب بنا دیتا ہے- اس لیے محبت کی حدود جاننا ضروری ہیں، اگر عشق کو عہد طفلی ہی میں ان سے آشنا کرا دیا جائے تو وہ کبھی سرکشی و نافرمانی کی طرف مائل نہ کرے گا اور ایسا عشق جب ایک تناور درخت بن جائے گا تو بندہ کو ایسا ولولہ و جوش عطا فرمائے گا جو محبوب و مطلوب ہے-

اتنی بات ذہن نشین ہونے کے بعد، جاننا چاہیے کہ عشق کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ حقیقی

ب۔ مجازی

اس تقسیم کی بنا اس پر ہے کہ مقصود عشق کیا ہے؟ محبوب مجازی یا معبود حقیقی؟ اسی بات سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ محبت یا عشق کی حیات کب تک ہے، کسی محبوب مجازی سے عشق تو چند سالوں بلکہ مہینوں میں ختم ہو جاتا ہے، مگر جب یہی عشق معبود حقیقی سے کیا جائے تو یہ قیامت تک بلکہ جنت میں بھی باقی رہے گا-

(اُ) حقیقی

یعنی وہ جو مالک حقیقی سے اور اس کے محبوبِ پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا جائے، اور یہ وہ عشق ہے جو دنیا و آخرت کو سنوار دیتا ہے- دل میں جب اس قسم کی شمع فروزاں ہوتی تو ظاہر و باطن تمام کو منور و مجلی کر دیتی ہے- اور پھر اہل عشق کا معاملہ مختلف ہو جاتا ہے- قرآن میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

اور ایمان والے تو اللہ سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں،[القرآن-سورۃ البقرۃ آیت نمبر165]

یعنی کامل الایمان وہی شخص ہے جو اللہ سے محبت کرے اور وہ بھی ہر چیز سے زیادہ، پھر حدیث میں آتا ہے:

"حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد، اولاد، اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں" [بخاری]

معلوم یہ ہوا کہ اللہ و رسول سے محبت کرنا یہ ایمان کا حصہ ہے اور اسی محبت کو درجہ کمال حاصل ہوتا ہے تو وہ عشق حقیقی کہلاتی ہے- جس کی مثال کچھ یوں سمجھیں کہ حضور سیدنا غوث الاعظم شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضي الله عنہ اسی عشق حقیقی کی بنا پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ کے اتنے محبوب ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی قسمیں دے دے کر کھلاتا تھا۔

قسمیں دے دے کے کھلاتا ہے پلاتا ہے تجھے

پیارا اللہ ترا چاہنے والا تیرا

دیگر مثالوں میں سے ایک یہ کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضي اللہ عنہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے لاڈلے تھے کہ آپ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف فیہ مسائل کا حل دریافت کیا کرتے تھے-

(ب) مجازی

مجازی یعنی وہ جو بندے کا بندے سے ہو، اس میں آدمی کا اپنے اہل و عیال سے محبت کرنا، مال و متاع سے، منصب و عہدے سے، اور کسی شخص کا کسی خاتون سے یہ تمام مثالیں عشق مجازی سے عبارت ہیں اور اسی میں شامل- اور یہ عشق حقیقی سے یکسر مختلف ہوتا ہے، اس کی بنا انسانی جذبات اور احساسات پر ہے، اس میں نفس و ہوا کو بھی دخل ہے، خواہشات اس کی قیادت کرتی ہیں اور اس کا معاملہ حواس سے متعلق ہے- اس کی بھی ایک مثال ملاحظہ ہو:

مصر کے دو لوگوں کی کہانی بہت مشہور ہے، اَینٹونی (مرد) اور کلیوپَیٹرہ (عورت) کی محبت کی داستان، یہ دونوں مصر کے اثر و رسوخ والی شخصیتیں تھیں، اور ان کی سلطنت مسلسل رُومیوں سے نبرد آزما رہتی تھی- ان دونوں کو ایک دوسرے سے عشق ہو گیا اور انہوں نے شادی کرلی، ایک دن رُومیوں سے جنگ کے دوران اینٹونی کو کسی نے کلیوپیٹرہ کی موت کی خبر دی، یہ صدمہ وہ سہ نہ سکا اور اپنی تلوار پر گر کر اپنی جان دے دی، یہ خبر جب کلیوپیٹرہ تک پہونچی تو اس نے خودکشی کرلی-

یہ بات ظاہر ہے کہ عشق مجازی کا اصل مدعا حصول لذات ہے اور یہ جسمانی قرب کا مرہون منت ہے- یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ عشقِ مجازی پیامِ حیات ہے یا پیامِ موت- اس کا فیصلہ قارئین کریں-

عشق حقیقی تک رسائی کا ذریعہ

مگر وہ مطلوب حقیقی، خدا کیسا ہے؟ اس کی کیا شان ہے؟ اس کی معرفت کیسے ملتی ہے؟ اس تک وسیلہ کون ہے؟ یہ کچھ سوالات سطح ذہن پر نمودار ہوتے ہیں- جواب جاننے کے لیے ایک قرآنی قاعدہ ملاحظہ ہو:

فَسْئَلُوْٓا اَہْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

"تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو" [القرآن-سورۃ الانبیاء آیت نمبر 7]

اور اہل علم اہل نظر تو یہ کہتے ہیں۔

معبود فقط ہے ایک خدا

مسجود فقط ہے ایک خدا

پھر جب سالک راہ کی تشنگی نہیں بجھتی تو اہل عشق سے سوالات کئے جاتے ہیں، اور وہ تو یوں فرماتے ہیں۔

قلب کو اس کی رویت کی ہے آرزو

جس کا جلوہ ہے عالم میں ہر چار سو

بلکہ خود نفس میں ہے وہ سبحانہ

عرش پر ہے مگر عرش کو جستجو

اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ

اور جب یہ تشنگی درجہ کمال کو پہنچتی ہے تو سالک پھر ایک مرشد کامل کی تلاش کرتا ہے جو اسے اس کے رب کی معرفت دلا سکے-بعدہٗ، شیخ کامل کی صحبت بندے کے ظاہر و باطن کو مجلی و مصفی و مزکی بنا دیتی ہے اور وہ حلقہ عارفین میں امن و امان اور اطمنان قلب کے ساتھ رہتا ہے-تاہم اس بات کا شعور ہمیشہ رہے کہ رب کی معرفت ہر گز حاصل نہیں ہو سکتی جب تک بندہ علم حاصل نہ کرے اور رب کی محبت، اس سے عشق کا دعویٰ باطلِ محض ہے اگر سینے میں عشقِ رسول کا سمندر ٹھاٹھیں نہ مار رہا ہو-بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کو دل میں بسائے، شمعِ عشقِ خدا ہر گز روشن نہیں ہو سکتی-اب آئیں پہلے ذرا اہل قلم سے پوچھ لیں کہ عشق رسول دراصل ہے کیا شے اور اس سے بھی قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ عشق کیا ہے،

اہل فکر اسے یوں تعبیر کرتے ہیں:**العشق: يعني شدة الحب والإفراط فيه.**

یعنی جب محبت شدت اختیار کر جائے اور دل میں پیار کا ایک بحر بیکراں موجزن ہو تو اہل نظر اسے عشق کہتے ہیں- اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہے اس کا جواب عاشقوں سے بہتر کون دے سکتا ہے تو چلیں عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے دریافت کرتے ہیں کہ عشق رسول کیا ہے اور اس کے کیا تقاضے ہیں-

جلالِ عشق و مستی بے نیازی

وہ کون سا جذبہ ہے کہ آدمی کو بِن پَر کے پرواز کروا دیتا ہے-اُس کی ظاہری و باطنی صورت کو نِکھار دیتا ہے-لوگوں کو اس کا گرویدہ بنا دیتا ہے-اور عالَم کو اس کے لئے مُسخّر کر دیتا ہے-میرے عزیزوں! جان لو کہ وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے،وہی جذبہ ہے کہ جس نے عرب کے قلیل باشندوں کو شرق و غرب پر حکومت عطا فرمائی-ہاں ہاں! وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی تو تھا کہ اس نے صحابہ کی زندگیوں کو مکمل طور پر تبدیل کر کے رکھ دیا-انہیں غیر مسلم لوگوں کے حلقے سے نکال کر ہدایت کا آفتاب و مہتاب بنا دیا- یہ وہی جذبہ ہے کہ بلال حبشی رضي الله عنه تپتی

ریت پر لٹانے اور سینے پر پتھر رکھوانے کے باوجود، احد احد کی صدائیں بلند کرتے رہے، یہ اسی آقا علیہ الصلاۃ و التسلیم ہی کی جستجو تھی کہ سلمان فارس چھوڑ کر مدینہ میں غلامی کی زندگی بتانے کو تیار ہو گئے - ابو عبیدہ نے والد کا سر کاٹ کر بارگاہ نبوی میں پیش کیا، ابو بکر صدیق بیٹے سے بھی جنگ میں نبرد آزما ہو گئے، عُمر نے اپنے قبیلے والوں سے رشتے توڑنا گوارا کر لیا، عثُمان اپنی جائداد ترک کر کے دو مرتبہ ہجرت کو تیار ہو گئے، ابو سَلمہ اپنی بیوی اور بچے سے ایک سال تک دور رہے، اصحابِ صفہ نے تارکُ الدُنیا اور غریبُ الوطنی کی زندگی گوارا کر لی، ابو ہریرہ نے ساری زیست کو قولِ حبیب کی خدمت میں صَرف کر دیا، ایک صحابی نئ نویلی دلہن کو حُجرۂ عروس میں تنہا چھوڑ آئے اور جنگ میں شریک ہو کر جام شہادت نوش فرمایا، صحابہ نے اپنے ٹکڑے ٹکڑے کئے جانا تو برداشت کر لیا مگر تاج دار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتھے پر شکن برداشت نہیں کی، ان کو ایک تنکے کا چھو جانا ابو دُجانہ کو گوارا نہیں تھا مگر خود تیروں کی مار سہنا اعزاز سمجھتے تھے، رضوان اللہ تعالی علیهم أجمعين-

سوال یہ ہے کہ یہ سب کس وجہ سے ؟ وہ کس کے رخ کی چمک تھی کہ صحابہ کے ظاہر و باطن کو یوں سنوار دیا؟ اگر آج بھی مدینہ پاک کی در و دیوار سے پوچھو تو جواب یہی ملے گا، کہ وہ اور کوئی نہیں بلکہ جانِ عالم، اصلِ عالم، فخر موجودات، سرورِ انبیا، شہِ ہر دو سرا، جناب حبیبِ کبریا محمد مصطفیٰ عليه و آله وصحبه أجمل صلوة و أكمل الثناء ہی کی ذاتِ بابرکات ہے اور یہ آپ ہی کا عشق ہے جس کی کرشمہ سازیاں چہار دانگ عالم میں مشہور ہیں۔

آقبال کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے،

رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے

منازلِ عشق

عشق حقیقی وہ راستہ ہے جس سے بندہ اپنے ظاہر و باطن کو چمکا کر قربِ الٰہی حاصل کر سکتا ہے، اس کے لئے اسے کسی صاحبِ وجاہت ذات کی وساطت کی ضرورت ہوتی ہے، کیوں کہ یہ بات ظاہر ہے کہ ہم اس لائق نہیں کہ وسائل سے بے نیاز ہو جائیں اور نہ ہی ہمارے ہاتھ اس قابل کہ جیسے ہی دعا کو ہاتھ اٹھائیں فوراً قبول ہو، لہٰذا ایک سالک عشق کی منازل کو طے کرنے کے لئے ایک مرشد برحق کے دست حق پرست پر بیعت ہوتا ہے اور پھر شیخ سے اپنے تعلق کو بڑھاتا ہے یہاں تک اس کی ذات میں اپنی ہستی کو فنا کر دیتا ہے اور گویا کہ

فنا اتنا تو ہو جاؤں میں تیری ذاتِ عالی میں

مجھے جو دیکھ لے اس کو تیرا دیدار ہو جائے

اور اسی منزل کو صوفیا اپنی اصطلاح میں **فنا فی الشیخ** کی منزل کہتے ہیں-

پھر بندے کو شیخ کی بارگاہ سے فیوض و برکات اور بارگاہِ نبوی علی صاحبہا الصلوۃ و السلام تک رسائی حاصل ہوتی ہے، پھر وہ اپنے عشق کے پَروں سے اونچے مقامات تک پرواز کرتا ہے اور اس کے سلسلے کے شیوخ کے ذریعے فیضانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُسے ملتا ہے- اور جب اس کا عشق اسے فنا کی حالت تک لے جاتا ہے تو اِسی کو اہل تصوف **فنا فی الرسول** کی منزل سے تعبیر کرتے ہیں-

اس کے بعد لغتِ صوفیا میں سلوک کی دو منازل ہیں **فنا فی اللہ** اور **بقا باللہ**، اور در حقیقت یہ دونوں ہی منازل عشقِ حقیقی کی سب سے اعلیٰ ترین منزلیں ہیں جہاں پہنچ کر بندے کو بارگاہِ ایزدی میں خاص قرب حاصل ہوتا ہے- یہ تب ہوتا ہے جب سالک اپنی ہستی کو مکمل طور پر فنا کر دیتا ہے اور عشقِ حقیقی میں گم ہو جاتا ہے، پھر اسے اہلِ جہاں

سے کوئی سروکار نہیں رہتا نہ ہی ظاہری اسباب سے کوئی تعلق اسے پسند ہوتا ہے، یہی وہ منزل ہے جب اس شخص کے آس پاس کے لوگ خرقِ عادت اُمور کا مُشاہدہ کرتے ہیں کہ اب سالک میں اس کی ہستی نہیں صرف تجلیات خداوندی باقی رہتی ہیں۔

الگ ہی راہ چلتے ہیں دیوان گانِ عشق

آنکھوں کو بند کرتے ہیں دیدار کے لئے

اسی کے ساتھ اپنے مضمون کو اختتام دینا چاہوں گا، اللہ ہم سب کو عشقِ حقیقی عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین بجاه النبي الأمين عليه افضل الصلاة و أكرم التسليم

26شعبان المعظم 1441ھ. بمطابق 21 اپریل 2020

سگِ بارگاہِ تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ

فرؔدین احمد خان رضوی